مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی ؒ

سُود کی حقیقت

رِبوا کے لغوی معنیٰ کسی شے کے بڑھنے یا زیادہ ہونے کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کسی شے کے مطلق بڑھنے یا زیادہ ہونے کو "اصطلاحی ربوا" نہیں کہہ سکتے۔ اور نہ اس پر حرمت کا اطلاق جائز ہو سکتا ہے۔ بلکہ "ربوا" مال میں ایک خاص قسم کے نفع یا زیادت (اضافہ) کا نام ہے جو کاروباری دنیا کی نگاہ میں بیع و شرا کی طرح ایک جائز معاملہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر اسلام نے کائناتِ انسانی کی فلاح و بہبود اور نظامِ معیشت میں رفعتِ اخلاق اور باہمی اخوت و مساوات کی بقا کی خاطر حرام قرار دیا ہے۔

اور نہ صرف ان ہی خاص شکلوں کی ممانعت کی ہے۔ جو دعوتِ اسلام سے قبل جاری تھیں، بلکہ اپنی جانب سے ایسے اصول بیان کئے جن کے زیرِ اثر قرض اور بیع و شرا دونوں میں شائبہ سود و ربوا کا کلیۃً انسداد کر دیا تاکہ اسلام کا معاشی نظام ربوا اور شائبہ ربوا دونوں سے پاک اور بالاتر ہو جائے۔ کیونکہ اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں اہلِ عرب ربوا یا سود کو صرف "قرض" کے اندر ہی محدود سمجھتے تھے۔ اور بیع و شرار یا تجارتی کاروبار کو غیر مشروط طور پر جائز قرار دیتے تھے۔

اس لئے جب ان کے سامنے اسلام کا نظریہ "حرمتِ سود" آیا تو کفارِ عرب نے فوراً کہہ دیا کہ بیع (خرید و فروخت) جس سے نفع کی توقع کی جاتی ہے۔ بھی تو سود ہی کی طرح کا ایک معاملہ ہے۔

پس اگر نفع و زیادت سود کو حرام قرار دیتی ہے۔ تو بیع و شرا کو بھی حرام ہونا چاہیئے۔ ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ قرض کے ماسوا کاروبارِ تجارت میں بھی ربوا (سود) کا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔[1]

غرض اسلام کے معاشی نظام میں "اصطلاحی ربوا" کا اطلاق مروجہ مہاجنی سود سے زیادہ وسیع اور معاملۂ قرض اور معاملۂ تجارت دونوں سے وابستہ ہے۔

مہاجنی سود

ابھی ذکر ہو چکا کہ اہلِ عرب قرض اور دین کے ذریعہ جو نفع کماتے تھے اس کو ربوا یا سود سمجھتے اور اس کے جواز کے قائل تھے۔ اور یہ وہی معاملۂ ربوی تھا۔ جس کو آج "مہاجنی سود" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آج کی طرح مشرکینِ عرب میں بھی اس لین دین

[1] ڈاکٹر فضل الرحمان نے "منافع" کی آڑ میں سود کو حلال کہا تو کوئی نئی بات نہیں کی بلکہ اسی "جاہلی نظریہ" کا نئے پیرایہ میں اظہار کیا۔ (س)

کے مختلف طریقے رائج تھے۔

۱۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ صاحبِ ضرورت کو نقد روپیہ قرض دیتے اور ایک مدت معین کر کے فی روپیہ کچھ مقدار سود کی لگاتے تھے۔

۲۔ دوسری صورت یہ تھی کہ جب معین مدت ختم ہو جاتی تو سود اور اصل قرض کو ملا کر اپنی اصل قرار دیتے اور پھر اس مجموعہ پر سود لگانا شروع کر دیتے اسی کا نام "سود در سود" ہے۔

۳۔ زیور، ہتھیار، یا اسی قسم کی اشیار رہن رکھتے اور ان کے عوض قرض دیتے اور اگر معین مدت میں قرضدار قرض ادا نہ کر سکتا تو روپیہ پر سود لگاتے اور اشیار کی قیمت کم سے کم قرار دے کر ان کو ہضم کر جاتے۔ فقہار کی اصطلاح میں اس کو "ربا نسیہ" کہا جاتا ہے۔

اسلام نے سودی کاروبار کی ان تمام اقسام کو حرام قرار دیا اور بے محنت کی اس کمائی کو ظلم اور سُحت سے تعبیر کیا ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم نے جس اعجازِ بلاغت اور حکیمانہ اسلوبِ خطابت کے ساتھ ربوا کی حرمت اور علتِ حرمت کو بیان کیا ہے۔ وہ آپ اپنی مثال ہے۔ اس نے اول ربوا کی اس صنف کے متعلق حرمت کا فیصلہ سنایا جو زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب میں عام طریقہ پر رائج تھی۔ اور جو آج بھی سود خوار طبقہ میں اسی طرح جاری و ساری ہے۔ اس نے واضح الفاظ میں یہ حکم دیا:

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا الربٰوا اضعافا مضاعفۃ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ○ (آل عمران)	اے ایمان والو! تم سود در سود کو ہرگز ذریعہ معاش نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح حاصل کرو۔

اور پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ مطلق سود کے متعلق صاف صاف اعلان کر دیا:

احل اللہ البیع وحرم الربٰوا (بقرہ)	اللہ تعالیٰ نے تجارتی خرید و فروخت کو جائز کیا ہے۔ اور سود کو ہر حیثیت سے حرام قرار دیا ہے۔

اور حرمتِ سود کے اعلان کے ساتھ ساتھ گذشتہ واجب الادا سودی رقوم کے متعلق بھی یہ بتا دیا کہ اب تک جو کچھ کر چکے ہو وہ کر چکے مگر حرمتِ سود کے بعد اب قرضداروں پر جو سود رہ گیا ہے۔ اس کو چھوڑ دو اور ہرگز نہ لو ورنہ تو خدا اور اس کے رسول سے جنگ مول لو۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربٰوا ان کنتم مؤمنین	اے ایمان والو! اگر واقعی تم مسلمان ہو تو (سود کی حرمت کے بعد) جو سود تمہارا باقی رہ گیا

لہ احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۵۵۱

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (بقرہ)

ہے۔ اس سے درگذر کرو۔ اور اگر تم ایسا نہ کرو تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اور اگر باز آجاؤ اور اس بدکرداری "سے توبہ کر لو تو تمہارا اصل سرمایہ بہر حال واجب الادا ہے۔

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ٥ (بقرہ)

اگر تم باز آجاؤ تو تمہارا اصل سرمایہ دلایا جائیگا۔ (اللہ کی مرضی یہ ہے کہ) نہ تم لوگوں پہ ظلم کرو اور نہ تم پہ ظلم کیا جائے

اور یہ سب اس لئے ہے کہ:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ۔ (بقرہ)

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے۔ اور صدقات کی پرورش کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کافر بدکار کو کسی طرح پسند نہیں کرتا۔

اسلامی عقیدہ کے مطابق یہ آخری حد ہے کہ "سود" کو کفر میں شامل کیا گیا ہے۔

وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ

اور جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مالوں میں ترقی ہو تو وہ اللہ کے نزدیک ترقی

نہیں پاتا (یعنی پاداشِ عمل کے قانون کے مطابق یہ آخری نتیجہ گھاٹا اور نقصان ہے۔)

گویا تمہاری نگاہوں میں اگرچہ "سود" سے مال میں ترقی ہو رہی ہے۔ لیکن دنیا میں اس شخص کو عداوتوں کی کثرت اور مال کی بہتات کی وجہ سے دلی بے اطمینانی و بے چینی اور ہل من مزید کی مجنونانہ خواہش کی بدولت "سود" سے فائدہ کے مقابلہ میں نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ اور آخرت میں اللہ کے پاس تو اس کے لئے نقصان ہی نقصان ہے۔ اور صدقات میں اس کا برعکس ہے۔ یا یوں کہئے کہ اللہ تعالیٰ حرمتِ سود کا حکم دے کر سود کو مٹانا چاہتا ہے۔ اور صدقات کی ترغیب دے کر ان کی نشو و نما کرتا اور لوگوں میں ان کو عام کرنا چاہتا ہے۔

لیکن ان تمام ہدایات و احکام کے باوجود جو شخص (اس ملعون عمل) سے باز نہیں رہتا اسکو سمجھنا چاہئے کہ وہ "بد اخلاقی" کے اس تاریک غار میں گر گیا ہے، جہاں وہ انسانیت کی شمع فروزاں اور اسکی شعاعوں سے یکسر محروم ہے۔ اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ سود خوار اپنے اس عمل سے خدا اور خدا کے رسول کو جنگ کے لئے چیلنج کر رہا اور اپنی دائمی بدبختی اور خسران مبین پہ مہر لگا رہا ہے۔

"فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ"۔

تم صفحۂ عالم پر مٹے ہوئے اس نقش کو ذرا غور سے دیکھو جو سامنے "ایک خس پوش جھونپڑی کی شکل میں" نظر آرہا ہے۔ یہ ایک غریب و نادار بیوہ کا مسکن ہے۔ جس کے پاس دو یتیم و بیکس معصوم بچے شوہر کی زندہ یادگار ہیں۔ پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے اور ٹوٹے پھوٹے چند برتن اس گھر کی کل کائنات ہیں۔ بچے بلک رہے ہیں۔ بیوہ آہ و زاری کے ساتھ گڑگڑا رہی ہے۔ مگر کچہری کا سپاہی وارنٹ قرقی ہاتھ میں لئے زبان کی گالیوں اور کبھی کبھی ہاتھ کے دھکوں اور مکوں سے بیوہ کی تواضع کرتے ہوئے اپنی سرکاری ڈیوٹی میں مشغول ہے۔ تھوڑے سے فاصلہ پر زنزق برق کار میں ایک سفید پوش مہاجن ہنس ہنس کر یہ منظر دیکھ رہا ہے۔ اور بار بار جوش میں آکر منیب جی سے کہتا جاتا ہے دیکھو تو کس بے حیائی سے دوسرے کا مال مارنے کے لئے سوانگ بنا رہی ہے۔ کہ "میرے بچے بھوکوں مر جائیں گے۔ للہ رحم کرو، ان یتیموں پر رحم کرو، ان کا کوئی والی وارث نہیں۔ جب جھونپڑی اور یہ ٹوٹا پھوٹا سامان بھی نہ رہے گا۔ تو ان بیکسوں کا کیا حال ہوگا، جس روز شوہر کو پچیس روپیہ قرض لینے بھیجا تھا، اس دن خیال نہیں آیا تھا۔ کہ کسی کا دینا بھی پڑے گا۔ منیب جی سود اور سود در سود کے حساب سے پورے چار سو روپے بیٹھتے ہیں میں نے اکٹھے سو روپے چھوڑ دئے مگر یہ بے حیا تو دینا ہی نہیں چاہتی۔ اب اس سے زیادہ اور کیا "دیا" ہو سکتی ہے۔ نا صاحب میں اپنی محنت کی کمائی اگر اس طرح چھوڑ دیا کروں تو ایک دن خاک ہی چاٹنی پڑے ۔۔۔ آخر جھونپڑی نیلام ہو گئی، برتن کپڑے قرق ہو گئے اور بیوہ اور بیوہ کے بچے روتے پیٹتے گھر سے بے دخل کر دئے گئے۔

سود خوار کی زندگی کا یہ وہ معمولی سا تماشہ ہے، جو حکایات و قصص کی کتابوں میں نہیں بلکہ دنیا کی اسٹیج پر روزانہ واقعات کی شکل میں کھیلا جاتا ہے۔

دراصل سود خوار انسان روپیہ اور دولت کے خمار میں ایسا بدمست ہوتا ہے۔ کہ وہ انسانی اخلاق، مروت، ہمدردی، بلکہ انسانیت کو بے معنی اور مہمل الفاظ سمجھنے لگتا ہے۔ اور خود غرضی حرص و طمع اور دوسروں کو برباد کر کے اپنے مفاد کا حصول اُسکی زندگی کا نصب العین بن جاتے ہیں۔ وہ ہر وقت اسی تگ و دو میں پاگل کتے کی طرح مجنون و مخبوط پھرتا رہتا اور مظلوموں اور بیکسوں کی فریاد و حالتِ زار سے اندھا، بہرا اور گونگا بن جاتا ہے۔

قرآنِ عزیز نے اسی لئے پاداشِ عمل کے قدرتی نتیجہ سے ڈراتے ہوئے عالمِ آخرت میں

اس کی اصل کیفیت و حالت کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے۔

الَّذِینَ یَاکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا[1]۔ (البقرہ)

جو لوگ سود کھاتے ہیں۔ وہ آخرت میں خدا کے حضور ایسی حالت میں کھڑے ہوں گے کہ گویا ان کو بھوت پریت لپٹ گیا ہے۔ اور وہ خبطی ہو گئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ خرید و فروخت کا معاملہ سود کے معاملہ ہی کی طرح ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا و موکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواءٌ۔ (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سودخوار، سود دینے والے، سودی دستاویز لکھنے والے اور گواہی کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ خدا کی پھٹکار میں یہ سب برابر ہیں۔

---

[1] مشرکینِ عرب نے اپنے خیال میں علتِ ربا کے لئے بہتر سے بہتر دلیل یہ بیان کی کہ "ربوا" اگر قدرِ زائد کی وجہ سے حرام ہے ——— تو پھر بیع کیوں حلال ہے۔ جبکہ کسی نہ کسی شکل میں نفع (قدرِ زائد) یہاں بھی موجود ہے۔ قرآن عزیز نے اپنے معجزانہ اسلوب کے ساتھ اس کا رد کرتے ہوئے کہا: احل اللہ البیع وحرم الربوا۔ یعنی تم دیکھتے ہو کہ تمام معاملات میں بیع (خرید و فروخت) میں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔ جانبین (بائع و مشتری) کے مابین اصول کارفرما ہیں۔ (۱) دونوں جانب سے ارادی رضا و رغبت۔ (۲) باہم تعاون و اشتراک (۳) دونوں کے لئے منفعت کا حصول اور ظاہر ہے۔ کہ یہ تینوں اصول قانون۔ اخلاق اور علم المعیشت کی نگاہ میں صحیح اور درست ہیں۔ اس سے بہتر تعاون و اشتراک باہمی مواساۃ اور حسنِ سلوک جیسے فضائل کے حامل ہیں، جو انسان کی انسانیت کا طغرائے امتیاز ہیں۔ اور "ربوا" میں ان کے برعکس تین اصول جاری ہیں۔ ۱۔ ایک جانب میں رضا و رغبت اور دوسری جانب میں اضطرار و اکراہ۔ ۲۔ باہمی تعاون و اشتراک کا فقدان بلکہ کاروبار ترقی کے لئے دوسرے کے اضطرار و افلاس کا انتظار۔ ۳۔ ایک کے یقینی ضرر و نقصان پر دوسرے کے نفع کا مدار۔

پس اللہ تعالیٰ کہ جس کی صفاتِ کمالیہ "رب العالمین" "الرحمٰن الرحیم" ہیں۔ اور جس کی رحمتِ عام اور ربوبیتِ تام تمام کائناتِ انسانی پر محیط ہے۔ وہ کب گوارا کر سکتا تھا۔ کہ اس کی باعقل مخلوق "انسان" باہمی محبت و مواسات اور تعاون و اشتراک کو چھوڑ کر خونخوار درندوں کی طرح ایک دوسرے کا خون چوسنے پر آمادہ ہو جائے۔ اس لئے اس نے "بیع" کو تو حلال قرار دیا اور "ربوا" کو حرام بنایا۔

غرض انسان کے وضع کردہ قوانین اور خدا کے فرمودہ احکام میں یہ بیّن فرق ہے کہ عام طور پر واضعین قوانین کے رجحانات پبلک کے رجحانات کے تابع ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ پبلک کے نمائندہ کہلاتے ہیں۔ اور چونکہ ان کی عقل بہرحال محدود ہوتی ہے، اس لئے وہ ان دور رس نتائج و ثمرات سے

(باقی آئندہ)

عن فضالۃ بن عبید صاحب النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم انہ قال: کلّ قرضٍ جرّ منفعۃً فھو وجہ من وجوہ الربا[1]

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو قرض بھی نفع کھینچتا ہے۔ وہ سود ہی کے اقسام میں سے ہے۔

تجارتی سود

مہاجنی سود کے علاوہ اسلام کے اقتصادی نظام میں صاحب شریعت نے یہ اور اضافہ کیا کہ نہ صرف قرض و دین میں بلکہ تجارتی کاروبار کی بعض اقسام میں بھی سود (ربوا) پایا جاتا ہے۔ مثلاً اگر سکہ کی بجائے جنس کا جنس کے ساتھ تبادلہ مقصود ہے۔ یا چاندی اور سونے کا ہم جنس تبادلہ مطلوب ہے۔ تو ایسی صورت میں مسطورۂ ذیل ہر دو اصول کی پابندی ضروری ہے۔ ورنہ یہ معاملہ (ربوا) اور سود میں شامل ہو کر حلال سے حرام کی جانب منتقل ہو جائے گا۔

ا۔ اگر ہر دو جانب خرید و فروخت کی شے ہم جنس ہے۔ یعنی سونے کا سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں، جو، نمک، کشمش، منقی، وغیرہ اشیاء کا ہم جنس شے سے بیع و شرا مطلوب ہے۔ تو کھوٹے اور کھرے منقوش وغیر منقوش، کم قیمت و بیش قیمت، عمدہ اور ردی کا لحاظ

اس وقت تک کما حقہٗ واقف نہیں ہو سکتے جب تک تجربہ یا پبلک کا احتجاج اسکی موافقت یا مخالفت نہیں کرتے چنانچہ "ربوا" کے جواز کا مسئلہ بھی اسکی ایک کڑی ہے۔ اسلئے کہ انسان کی حیوانی خواہشات میں سے ایک خواہش طلب زر کی بھی ہے۔ اور اگر اسکو آزاد چھوڑ دیا جائے تو اسکی یہ خواہش کسی غایت یا قید و بند کو برداشت نہیں کرتی۔ پس تمام دنیوی حکومتیں اور ان کے واضعینِ قوانین اپنے اپنے ماحول کے رجحانات کے مطابق "ربوا کے جواز کیلئے قوانین بناتے رہتے ہیں۔ اور اگرچہ وہ اس سلسلہ میں کچھ تحدید و تنقید بھی کرتے جاتے ہیں۔ مگر عملاً ربوی معاشرتی نظام بے قید ہو کر افلاسِ عام اور کساد بازاری پر منتج ہوتا اور ایک مخصوص طبقہ میں دولت کی اجارہ داری قائم کر دیتا ہے۔

اس کے برعکس قانونِ الٰہی چونکہ انسانی دسترس سے بالاتر خالقِ کائنات کی جانب سے آتا ہے۔ جو مخلوق کے نفع و ضرر کا حقیقی علیم و خبیر ہے۔ اس لئے وہ حیوانی اوصاف سے پاک اور برتر رہ کر اس حیوانی خواہش کے خلاف فیصلہ صادر کرتا اور "ربوی معاشی نظام" کو حرام ٹھہراتا ہے کیونکہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی طرح انکی بے قید خواہشات کے زیر اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقی مصالح عامہ اور فلاحِ عام پر مبنی ہوتا ہے۔

[1] بیہقی ج ۵ ص ۳۵۰ کتاب البیوع۔

کئے بغیر دونوں جانب ناپ تول میں مساوات بھی واجب ہے۔ اور نقد خریداری بھی واجب و ضروری، نہ کمی بیشی درست ہے۔ اور نہ ادھار جائز ہے۔

ب۔ اگر جانبین میں ہم جنس شے نہیں ہے۔ یعنی سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے۔ گیہوں کا جَو سے یا جَو کا گیہوں سے (وغیرہ وغیرہ) تبادلہ مقصود ہے تو ایسی حالت میں کمی و بیشی تو درست ہے۔ مگر ادھار جائز نہیں ہے۔ بلکہ واجب ہے کہ عقد بیع کے وقت دونوں جانب سے معاملہ بصورت نقد عمل میں آئے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت ارشاد فرمایا ہے:

عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواءً بسواءٍ یداً بید فاذا اختلفت ھٰذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یداً بید[1] (مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سونے کا تبادلہ سونے سے اور چاندی کا چاندی سے اور گیہوں کا گیہوں سے اور جَو کا جَو سے اور خرما کا خرما سے اور نمک کا نمک سے یکساں برابر برابر اور دست بدست ہونا چاہئے۔ (یعنی ناپ تول میں بھی مساوی ہوں اور ادھار بھی نہ ہوں) اور اگر ان اقسام کا تبادلہ ہم جنس قسم کے ساتھ نہ ہو تو کمی بیشی کے ساتھ جس طرح چاہو معاملہ کرو۔ لیکن معاملہ ادھار کا نہ ہو بلکہ دست بدست ہونا ضروری ہے۔

مجتہدین اُمت نے اس حدیث صحیح کو تجارتی کاروبار میں ربٰوا (سود) سے متعلق "اساس" قرار دیا ہے۔ اور اپنے اجتہاد سے اُن وجوہ کی تحقیق و تفتیش کی ہے، جن کا وجود اس قسم کے معاملات میں حدیث کی بیان کردہ شرائط کی خلاف ورزی سے ربٰوا (سود) کا باعث بن جاتا ہے۔[2] فقہاء اسکو "ربوا فضل" سے تعبیر کرتے ہیں۔

---

[1] یہ حدیث جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ اور اصطلاحِ حدیث میں مشہور بلکہ تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔ [2] ملاحظہ ہوں کتب فقہ و اصولِ فقہ۔

حدیث ربوا ایک اور حقیقت کا بھی اعلان کرتی ہے۔ وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے "معاشی نظام" کو وطنی اور ملکی عصبیت سے بالاتر بین الاقوامی اخوت و مواسات پر قائم دیکھنا چاہتے ہیں۔ تاکہ وحدت اسلامی کا پیغام حق اس راہ سے بھی بروئے کار آسکے کیونکہ عام طریقہ بیع وشراء میں اگرچہ کوئی شخص چاندی کو چاندی کے اور سونے کو سونے کے عوض نہیں خریدتا لیکن علمائے اقتصادیات کی نظر سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ دورِ حاضر میں تبادلۂ سکہ جات (ایکسچینج) کا جو سسٹم جاری ہے۔ وہ اسی ربوا کی ایک قسم ہے۔ جس میں تبادلہ کے وقت دو ملکوں کے درمیان چاندی کے یا سونے کے ہم جنس سکوں میں بھی "بٹاون" کے نام سے کمی بیشی کا اصول قائم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ "ایکسچینج پالیسی" ایک ایسا فاسد طریق کار ہے۔ جس کے ذریعہ دو ملکوں یا دو قوموں کے درمیان "معاشی دستبرد" کی راہ کھلتی ہے۔ پس اگر اسلام کے اقتصادی نظام میں اس کو جائز رکھا جائے تو گویا یہ پیش خیمہ ہوگا، معاشی دستبرد کے جواز کا۔ جو بلاشبہ حقیقی تجارت اور صحیح نفع اندوزی کے قطعاً خلاف ہے۔

اسی طرح دُور نہ جائیے، قریب ہی سے اس دورِ جدید پر نظر ڈالئے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ تجارت "علمی نظریوں" پر قائم اور کاروبار "سائنٹفک اصولوں" پہ چل رہا ہے۔ اس دور میں بنک سسٹم کا سود، تجارتی سود کہلاتا ہے۔ لیکن کیا بین الاقوامی لیگ (LEAGUE OF NATION) کی روئیداد اور یورپ و ایشیا کے تجارتی ملکوں کے حالات اس امر کے شاہد عدل نہیں ہیں کہ بنک سسٹم کا موجودہ کاروبار ہی بڑی حد تک ان ملکوں کی کساد بازاری اور عام افلاس کا باعث ہے اور یہ سسٹم بڑے بڑے سرمایہ داروں کی بے پناہ زراندوزی اور بے قید نفع خوری کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اور ان کی بدولت غیر محسوس طریقہ پر دولت سمٹ سمٹ کر محدود طبقہ میں اس طرح پہنچ جاتی ہے کہ عوام کے لئے قوتِ لایموت کے لئے بھی کوئی راہ باقی نہیں رہتی ■■

معاونینِ الحق

ہمارے حلقۂ قارئین کے حسب ذیل احباب شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے الحق کی اشاعت میں حصہ لیا۔

مولانا فخر الدین صاحب	انگلینڈ	۸ خریدار	جناب غلام محمد صاحب	کھلنا	۱ خریدار
مولانا مختار حسن صاحب	چٹاگانگ	۱ "	مولانا محمد اسرائیل صاحب (فاضل)	شیر پاؤ	۱ "
مولانا سیف اللہ صاحب (فاضل)	لکی مروت	۲ "	جناب میجر جنرل میر افضل خان صاحب	بہاولپور	۲ "
جناب ناظم صاحب ادارہ فروغ عربی	میرپور خاص	۶ "	مولانا عبد الجلیل صاحب (فاضل)	لوند خوڑ	۱ "
مولانا عبد الحلیم صاحب (فاضل)	کوہاٹ	۱ "	جناب مشتاق احمد صاحب	کینال کالونی بیہ	۲ "